اداریہ

جغرافی تنقید

ادب کیا ہے؟ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ ادب انسانی تجربے کا لسانی اظہار ہے۔ یہ جواب غلط نہیں مگر ناکافی ہے۔ یہ ادب کی ماہیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، احاطہ نہیں کرتا۔ چناں چہ یہ تشفی بخش جواب سے زیادہ، سوالات کو تحریک دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انسانی تجربہ ہے کیا؟ یہ کن بنیادوں پر دوسری مخلوقات کے تجربے سے مختلف ہے؟ اس کے اجزا وعناصر کیا ہیں؟ یہ اجزا کس طور منظم ہوتے ہیں؟ نیز کیا تخلیقی تجربہ، انسانی تجربے ہی کی ایک مختلف، توسیعی یا ارفع صورت ہے؟ ہم مختصر طور پر کہہ سکتے ہیں کہ باہر اور اندر کی آمیزش وآویزش سے پیدا ہونے والی حسی کیفیات، خیال و تصوّر کا سلسلہ، ارادہ، عمل اور اظہار کے مجموعے کا نام انسانی تجربہ ہے۔ اس انسانی تجربے کا مخصوص لسانی اظہار اسے تخلیقی تجربہ بنا دیتا ہے۔

انسانی تجربے کے اجزا کو پہچاننا مشکل نہیں۔ انھیں حسی، نفسی، جذباتی، فکری، سماجی، تاریخی، تخیلی، مابعد الطبیعیاتی، لسانی، شعریاتی، روایاتی اجزا کہا جاسکتا ہے۔ یہ تمام اجزا باہر کی حقیقی مادی دنیا، اس حقیقی دنیا سے وجود میں آنے والی علامتی دنیا (زبان، کتب، نشانات، ثقافتی رسوم وغیرہ) اور آدمی کی ذہنی و نفسی دنیا سے متعلق ہیں۔ ادب و فن کے نقادوں اور مفکروں نے اس موضوع پر بہت لکھا ہے کہ ان تین دنیاؤں کا باہمی تعلق کیا ہے، یعنی ان میں کس قسم کے تال میل سے انسانی تجربہ وجود میں آتا ہے اور کس طور وہ منقلب ہو کر (تخلیقی تجربے کی صورت)، ادب میں ظاہر ہوتا ہے۔ جمالیاتی، تاریخی، عمرانی، اشتراکی، نفسیاتی، ہیئت پسند، ساختیاتی، پس ساختیاتی، تانیثی، مابعد نوآبادیاتی اور ماحولیاتی تنقید نے ادب میں ظاہر ہونے والے انسانی تجربے کے اجزا پر تفصیل سے لکھا ہے۔ سادہ لفظوں میں انسانی تجربے کے نفسی، سماجی، جمالیاتی، تاریخی، لسانی، صنفی، ماحولیاتی پہلوؤں پر جم کر لکھا گیا ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ ادب میں ظاہر ہونے والے انسانی تجربے کو سمجھنے میں اعلیٰ ترین انسانی ذہانت صرف ہوئی ہے۔ بیسویں صدی کے چند عظیم ترین دماغوں سے تعارف کا ذریعہ، وہ کتب ہیں جو انسانی تجربے کی ماہیت اور ادب کو موضوع بناتی ہیں۔ اردو قارئین، ان میں سے بیش تر کتب یا ان کے بنیادی موضوعات سے واقف ہیں۔ تاہم انسانی تجربے کا ایک اہم جز مجموعی طور پر اردو تنقید کی آنکھ سے اوجھل ہے۔ یہ کہ جگہیں اور مقامات انسانی تجربے کی تشکیل میں کیا کردار ادا کرتی ہیں، اور ادب میں ان کی نقشہ کشی (Cartography) کس طور ہوتی رہی ہے اور اس نقشہ کشی پر کیا کیا عوامل اثر انداز ہوتے رہے ہیں؟ بلاشبہ جگہوں سے محبت (Topophilia) کا اظہار ہماری شاعری میں بہ طور خاص ہوا ہے؛ گھروں، گلیوں، بازاروں، بستیوں، شہروں، مسجد و مندر و کلیسا و کنشت و مے خانہ، جنگل و صحرا، خانقاہ و گورستان اور دوسری جگہوں کو ہمارے فکشن، آپ بیتی، سفر نامے نے کثرت سے موضوع بنایا ہے، مگر کوئی جگہ اور مقام ایک، یا اس کے تخلیق کردہ کردار کے تجربے میں کس طور آتے ہیں، اس کے نفسی و سماجی و تاریخی و جمالیاتی ادراک میں کیا 'جگہ' بناتے ہیں، اس

پر ہماری تنقید نے نگاہ نہیں کی۔ ہم نے بنیاد کے زیر نظر شمارے میں نہ صرف ایک گوشہ مختص کیا ہے، جس میں 'ادب اور جگہیں ومقامات' کے موضوع پر تین مقالات شامل ہیں، بلکہ اداریے کے لیے بھی یہی موضوع منتخب کیا ہے۔ گرمانی مرکز زبان وادب، لمز جہاں سے بنیاد شائع ہوتا ہے، اس کے شعبۂ اشاعت نے حال ہی میں لاہور کی کہانی، شاعری کی زبانی کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ بھی ٹھیک اسی موضوع پر ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ جو باتیں اس مقدمے میں لکھ چکے ہیں، ان کی تکرار سے بچتے ہوئے، اسی بحث کو آگے بڑھائیں۔

ادب میں جگہوں اور مقامات کی نقشہ کشی کا مطالعہ کرنے والی تنقید کو جغرافی تنقید (Geocriticism) کا نام ملا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ادب کے اکثر قارئین نئی اصطلاحات سے گھبراتے ہیں، لیکن اس کا کیا کریں کہ ہر نیا علم، نئی اصطلاحات لے کر آتا ہے۔ اگر علم سے مفر نہیں تو اس علم کی اصطلاحات سے بھی مفر نہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس دبستانِ نقد کی چند ناگزیر اصطلاحات سے کام لیں، باقی اس تحریر کے خاتمے پر درج کر دیں۔ تاہم یہاں ہم یہ ضرور کہنا چاہیں گے کہ بعض اوقات خود اصطلاح پریشان نہیں کرتی، نئے لفظ کا خوف (جسے لوگو فوبیا کا نام ملا ہے) کام کر رہا ہوتا ہے۔ خوف کوئی ہو، ہماری راہ میں مزاحم ہوتا ہے۔ علم اور خوف ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔

جغرافی تنقید کی اصطلاح ۱۹۹۰ء کی دہائی میں امریکا اور فرانس میں کم وبیش ساتھ ساتھ استعمال ہونا شروع ہوئی۔ امریکا میں اسے رابرٹ ٹی۔ ٹیلی جونیئر (Robert T. Tally Jr۔ پ:۱۹۶۹ء) نے اور فرانس میں برٹرینڈ ویسٹ فل (Bertrand Westphal۔ پ:۱۹۶۲ء) نے موضوع بنایا۔ جغرافی تنقید کیا ہے؟ رابرٹ ٹیلی کے بقول: ادب جگہوں اور مقامات کی نقشہ گری کرتا ہے، (جغرافی) تنقید اس نقشہ گری کا مطالعہ کرتی ہے۔ نیز "جغرافی تنقید جگہ (place) کی جستجو کرتی، کھوجتی، جائزہ لیتی، تہ میں اترتی، اس کا مطالعہ کرتی اور اسے لکھتی ہے؛ نیز یہ مکاں (space) کو سنتی، چھوتی، سونگھتی، چکھتی ہے"۔ اردو میں 'سپیس' کا ترجمہ خلا بھی کیا جاتا ہے، مگر یہاں مکاں ہی بہتر ہے۔ زمان ومکاں کی ترکیب میں بھی مکاں بہ یک وقت place اور space کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہماری نظر میں جغرافی تنقید، جگہ (عمومی مفہوم میں)، مقام (خاص جگہ) اور مکاں (متنوع مفاہیم کے ساتھ) تینوں کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ تینوں الفاظ لغوی اور مجازی دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی یہ حقیقی طور پر کسی ایک نکتے پر موجود مشخص وغیر مشخص جگہوں کے معنی میں بھی، اور ذہنی وسماجی وتخیلی مقامات کے معنی میں بھی برتے جاتے ہیں۔ سادہ لفظوں میں جغرافی تنقید صرف فطری اور انسانی ہاتھوں سے تعمیر کی گئی جگہوں پر رہنے کے تجربے ہی کا مطالعہ نہیں کرتی، بلکہ انسانی ذہن اور سماجی ثقافتی علامتوں میں جڑ پکڑنے والی جگہوں کا بھی جائزہ لیتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ صرف جگہوں کو نشان زد نہیں کرتی، ان جگہوں کا ہر رخ، ہر جہت، زاویے، ہر تناظر میں بھی مطالعہ کرتی ہے۔ چوں کہ جگہ، مقام اور مکاں سے متعلق باقاعدہ سائنسی علوم موجود ہیں۔ جغرافیہ (اس کی ذیلی قسمیں)، فلسفہ، بشریات، عمرانیات، مارکسیت، نفسیات وغیرہ۔ جغرافی تنقید ان علوم سے مدد لیتی ہے۔ یوں، گزشتہ سات دہائیوں کے بیش تر تنقیدی دبستانوں کی مانند جغرافی تنقید بھی بین العلومی ہے۔ تاہم وہ ان علوم سے مدد لیتے ہوئے اس سوال کو نظر انداز

نہیں کرتی کہ وہ خود ان علوم کو کیا دیتی ہے؟ دوسرے لفظوں میں وہ ان دبستانوں کی طفیلی نہیں بنتی۔ وہ 'کچھ لو اور دو' کے اصول کو اپنی علمیات میں شامل کرتی ہے۔ جغرافیہ، جگہ کو ناپتا اور اسے ایک علامتی زبان میں پیش کرتا ہے، جب کہ جغرافی تنقید یہ دیکھنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہی جگہ، جب ادب میں لکھی جاتی ہے تو اس کی صورت کیا ہوتی ہے۔ یہ ادبی مطالعہ خود جغرافیے کے علم کو ایک نئی جہت عطا کرتا ہے۔

رابرٹ ٹیلی، ویسٹ فل اور دیگر نقادوں نے لکھا ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی فکریات میں ایک موڑ آیا، جسے Spatial turn یا 'مکانی موڑ' کہا گیا ہے۔ یعنی 'جگہ' کو مرکزیت ملی۔ انیسویں صدی کے کلیدی استعارے وقت، تاریخ اور ترقی تھے۔ روشن خیالی کے عہد سے مغربی انسان اس اعتقاد کا حامل تھا کہ سماجی وفکری ارتقا سیدھے خط میں آگے اور بلندی کی جانب بڑھے گا۔ ماضی کی جبلی، قومی، تہذیبی لغزشوں کو دہرایا نہیں جائے گا۔ چناں چہ مؤرخ، سماجی مفکر، سائنس دان، فلسفی، ادیب زماں کو اپنی علمیات و وجودیات میں مرکزی اہمیت دیتے تھے۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل کی ادبی جمالیات بھی زماں کے سحر میں مبتلا تھی۔ ہمارے یہاں علامہ اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) اور مجید امجد (۱۹۱۴ء-۱۹۷۴ء) کے یہاں وقت ایک اہم فکری و جمالیاتی مسئلے کی صورت ظاہر ہوتا تھا۔ مغربی مفکرین عالمی جنگوں اور یہودیوں کی نسل کشی کے لیے بنائے گئے عقوبت خانوں کو 'مکانی موڑ' کا بنیادی سبب قرار دیتے ہیں۔

مغربی مفکرین استعماریت کا ذکر ضرور کرتے ہیں مگر استعماریت کے خلاف جدوجہد کو مکانی موڑ میں شامل نہیں کرتے۔ استعماریت کے خلاف جدوجہد کا سب سے بڑا محرک اپنے وطن یعنی 'اپنی جگہ کی آزادی' تھا۔ استعماریت اور ردِّ استعماریت دونوں جغرافیے کو اہمیت دیتی ہیں، مگر یکسر متضاد طریقوں سے۔ استعماریت جغرافیہ عالم کو چھانتی ہے اور اپنے زیرِ نگیں لاتی ہے، جب کہ ردِّاستعماریت اپنے جغرافیے کی بازیافت کرتی ہے۔ طرہ یہ کہ برطانوی استعماریت کا خاتمہ بھی ایک ایسی جغرافیائی تقسیم پر ہوا، جو آج تک جنوبی ایشیا ہی نہیں، مشرقِ وسطیٰ میں بھی کئی تنازعات کا سبب ہے، یعنی جغرافیہ اب بھی مرکز میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایڈورڈ سعید (Edward Said-۱۹۳۵ء-۲۰۰۳ء) نے اپنی کتاب ثقافت اور سامراج (*Culture and Imperialism*) میں یہ مؤقف اختیار کیا کہ وہ استعماریت کے تاریخی تجربے کے تجزیے میں جغرافیائی تفتیش پر مجبور ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کے پہلے باب میں چند جملے ایسے لکھے ہیں جو آگے جغرافی تنقید کے بنیادی اصول بنے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ زمین حقیقت میں ایک دنیا ہے؛ اس دنیا میں خالی، بے آباد مکاں (spaces) موجود نہیں ہیں۔ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم انسانوں میں سے کوئی ایک بھی جغرافیے سے باہر اور بالا نہیں ہے، اس لیے جغرافیے کے سلسلے میں جدوجہد سے مکمل آزاد نہیں ہے۔ سعید اس جدوجہد کو پیچیدہ بھی کہتے ہیں اور دل چسپ بھی۔ ان کے نزدیک یہ جدوجہد محض فوجوں اور توپوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ نظریات، ہیئتوں، تمثالوں اور معانی سے متعلق بھی ہے۔ گویا جغرافیہ جدوجہد، جنگ، آزادی، نظریات، معانی سب کا میدان ہے۔

سعید کی فکر کی شمولیت سے جغرافی تنقید، مغرب مرکزیت کی حامل نہیں رہتی۔ ہم یہاں ایک اور بات کا بھی اضافہ کرسکتے ہیں۔ یورپی استعماریت نے اپنی نوآبادیوں کے جغرافیے کے ٹکڑے جس بے رحمی سے کیے، اس کے نتیجے میں انسانی تاریخ کی

سب سے بڑی ہجرت اور نقل مکانی ہوئی۔ لوگ اپنی جگہوں اور مقامات کو چھوڑنے اور نئی ،اجنبی جگہوں پر منتقل ہونے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے جن گھروں، گلیوں، بستیوں، شہروں کو خدا حافظ کہا، ان کی نقشہ گری اور قصہ گوئی وہ عمر بھر نئی جگہوں پر اپنی لکھی جانے والی تحریروں میں کرتے رہے۔ ان کے لیے بھی زماں کے بجائے مکاں اور تاریخ کے بجائے جغرافیہ اہمیت اختیار کر گیا۔ انھیں نئی جگہوں پر پرانی جگہوں کے قصے دہرانے کے طعنے بھی سہنے پڑے۔ دوسری طرف ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم جگہوں کی محبت اور ناستلجیا پر مبنی ادب (جسے بعض لوگ مہجری ادب کہتے ہیں) کو صرف تاریخی اور نفسیاتی زاویے سے دیکھتے رہے ہیں، اور ان کی جمالیات کو بھی قدیم اساطیر کو از سر نو لکھنے کے عمل میں تلاش کرتے رہے ہیں۔ لیکن خود جگہیں اپنے حقیقی و استعارتی مفاہیم کے ساتھ کس طور شاعری اور فکشن کی شعریات اور جمالیات میں شامل ہوئی ہیں، اس پر ہماری تنقید کی نگاہ نہیں گئی۔ اس تنقید میں تاریخیت تو بیش از بیش ہے، مکانیت (Spatiality) مفقود ہے۔

مکانیت، جغرافی تنقید کی بنیاد کا پتھر ہے۔ مکانیت، زمان و مکاں کے روایتی تعلق کی ردّ تشکیل ہے؛ مکاں کے زماں پر انحصار کے تصور پر نظر ثانی ہے۔ زماں، دریا ہے۔ مکانیت، اس استعارے کو منسوخ کرتی ہے۔ وہ بہتے پانی کے بجائے، پانی جس جگہ پر بہہ رہا ہے، اسے اہمیت دیتی ہے۔ مکانیت، مکاں کی اپنی جداگانہ حیثیت، موجودگی، اس کی مظہریت اور معنویت کو محسوس کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے جو خبط وقت اور تاریخ کے سلسلے میں تھا، بعد میں وہی خبط ہمیں مکاں اور جغرافیے کے ضمن میں ملتا ہے۔ خبط کی اگر کوئی توجیہ ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ یہ کسی کھوئی ہوئی، نظر انداز کردہ شے کو واگزار کرانے کا انہماک ہے۔

کسی اور نے نہیں، میشل فوکو (Michel Foucault، ۱۹۲۶ء-۱۹۸۴ء) نے بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں کہا کہ ہمارے عہد کے اضطراب کے لیے تسکین کا اگر کوئی پہلو ہو سکتا ہے تو وہ مکاں (space) ہے، زماں نہیں۔ تاہم وہ یہ سوال بھی اٹھاتا ہے کہ کون سا مکاں؟ اسی سوال کے جواب میں جغرافی تنقید (واضح رہے کہ فوکو نے جغرافی تنقید کی اصطلاح استعمال نہیں کی، یہ الگ بات کہ جغرافی تنقید نے بعد میں فوکو کے مضمون: "مکاناتِ دیگر کے بارے میں" (Of Other Spaces) کو اپنے مقدمات کا حصہ بنایا) میں فکری گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ فوکو اپنے زمانے کے کس اضطراب کی بات کر رہا ہے؟ ویسے تو کوئی زمانہ اضطراب سے خالی رہا ہے نہ کسی شخص کی زندگی ایک یا دوسری قسم کے اضطراب کے بغیر ہوا کرتی ہے۔ فوکو جس اضطراب کی بات کر رہا ہے، وہ خیال اور وقت کے باہمی تعلق کو اس کی انتہاؤں میں دیکھنے کا پیدا کردہ اضطراب ہے۔ خیال، وقت کی مانند مسلسل بہتا ہے۔ دونوں ذہن، متن اور متن کی تعبیر میں کسی وقفے کے بغیر بہتے ہیں۔ ان کی کوئی آخری، مطلق منزل نہیں ہوتی۔ چناں چہ کہیں وقفہ اور ٹھہراؤ بھی نہیں آتا۔ ایک مسلسل بہاؤ ہے، کوئی کہیں مقام، قیام، مستقر نہیں ہے۔ یہ سب اضطراب کا باعث ہے۔ مکانیت، وقفہ ہے، قیام ہے، مقام ہے اور مستقر ہے۔ یہ مکانیت، اضطرابِ لامنتہا کے آگے بند ہے۔

فوکو سوال اٹھاتا ہے کہ مکاں وقفہ اور قیام تو ہے مگر خود یہ مکاں کیا ہے اور کس حالت میں ہے؟ فوکو کے مطابق معاصر دنیا کی جگہیں تقدیس سے خالی (desanctified) نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ وہ کسی خاص جگہ کی بات نہیں کر رہا، بلکہ معاصر دنیا کی

عمومی جگہوں سے متعلق کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ جگہیں، محض خالی جگہیں نہیں ہیں۔ (بعد میں یہی بات ایڈورڈ سعید نے کہی، جس کا اوپر حوالہ آچکا ہے)۔ فوکو کے مطابق: ''ہم کسی خلا (void) کے اندر نہیں رہتے، جس کے اندر ہم افراد اور اشیا کو رکھ سکیں۔ ہم ایسے خلا میں بھی نہیں رہتے، جسے روشنی کے متنوّع رنگوں سے مزین کیا جا سکے، ہم تعلقات کے مجموعے کے اندر رہتے ہیں، جو جگہ کو متعین کرتے ہیں جنھیں ایک جیسا نہیں بنایا جا سکتا اور جنھیں ایک دوسرے پر مسلط نہیں کیا جا سکتا''۔ یہ لبریز ہیں، صرف چیزوں اور افراد سے نہیں، معانی سے بھی۔ فوکو اصرار کرتا ہے کہ جگہوں کے معانی، ثنویت سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ واقعتاً ہماری زندگیوں پر مسلط ہیں۔ ہم نے ثنویت سے ماخوذ معانی پر جرح کی ہے، نہ ہمارے اداروں نے انھیں شکست دی ہے۔ انھیں ایک طرح سے فطری سمجھا جاتا ہے۔ بقول فوکو: ہم نے جگہوں کو متضاد جوڑوں میں بانٹ رکھا ہے۔ عوامی اور نجی جگہ، گھریلو اور سماجی جگہ، ثقافتی جگہ اور مفید جگہ، کام کی جگہ (workplace) اور فرصت و تفریح کی جگہ۔ فوکو کے مطابق یہ متضاد جوڑے برقرار رہتے ہیں۔ انھیں برقرار رکھنے والی قوت 'مقدس کی مخفی موجودگی' ہے۔ اردو میں کچھ الفاظ غلط فہمیوں کا باعث بن جایا کرتے ہیں۔ یہ مقدس کی مخفی موجودگی بھی غلط فہمی کا باعث ہو سکتی ہے، اس لیے وضاحت ضروری ہے۔ تمام متضاد جوڑوں میں نوعیت ہی کا نہیں مراتب کا فرق بھی موجود ہوتا ہے، عوامی اور نجی جگہوں میں ایک جگہ زیادہ اہم، مطلوب اور باعث خیر تصور ہوگی، اس لیے پہلے نطشے (Friedrich Nietzsche۔ ۱۸۴۴ء-۱۹۰۰ء)، بعد میں فوکو اور دریدا (Jacques Derrida۔ ۱۹۳۰ء-۲۰۰۴ء) نے ان متضاد جوڑوں میں (جو ہماری روزمرہ زبان میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں) ایک نوع کی مابعد الطبیعیات دریافت کی تھی۔ اس مابعد الطبیعیات کے مطابق، دو مختلف چیزوں میں سے ایک لازماً برتر اور خیر کی حامل ہے، اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کی جانی چاہیے، اور یہ جدوجہد مقابل سے مسلسل جنگ اور اس کی حتمی شکست کا دوسرا نام ہے۔ چناں چہ ثنویت مسلسل آویزش اور تصادم کا باعث ہوتی ہے۔ بہ ہر حال فوکو جدا ز مروں میں بٹی جگہوں کے مقابل دوسری جگہوں کا تصور پیش کرتا ہے۔ انھیں وہ ہیٹروٹوپیا کا نام دیتا ہے۔ اگرچہ وہ ہیٹروٹوپیا کو یوٹوپیا (جو ایک تصور ہے کسی جگہ کے بغیر) کے مقابل واضح کرتا ہے مگر وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ خود ایک نئے ثنوی جوڑے کا تصور پیش کرنے اور یوں ایک نئی مابعد الطبیعیات کو وجود میں لانے کا مرتکب نہ ہو۔ چناں چہ وہ ایسی جگہوں سے دل چسپی ظاہر کرتا ہے جو باقی تمام جگہوں سے وابستہ ہیں (کہ وابستگی، مکانیت کی لازمی شرط بھی ہے) لیکن ایک ایسے طریقے سے وابستہ ہیں کہ وہ کسی دوسری جگہ میں ضم نہیں ہوتیں۔ وہ دوسری جگہوں سے وابستہ بھی رہتی ہیں، اور ان پر رائے ظاہر کرنے کے لیے آزاد بھی۔ وہ دوسری جگہوں کے مفاہیم کو تہ و بالا کر سکتی ہیں۔ ہیٹروٹوپیا میں کیفے، سینما، ساحل سمندر، قبرستان، تکیے شامل ہیں۔ ان جگہوں پر نئے قسم کے سماجی تعلقات وجود میں آتے ہیں، جن میں مزاحمت کا عنصر ہوتا ہے۔ چناں چہ انھیں ممنوع، حقیر، ناپسندیدہ جگہیں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

فوکو جگہوں سے متعلق یہ خیالات ظاہر کرنے والا پہلا شخص نہیں تھا۔ فوکو سے پہلے اس کے ہم وطن گستاں بیخالڈ (Gaston Bachelard۔ ۱۸۸۴ء-۱۹۶۲ء) نے مکانیت پر لکھا۔ فوکو اور دریدا دونوں نے بیخالڈ سے استفادہ کیا۔ تاہم بیخالڈ سے پہلے میخائل باختن (Mikhail Bakhtin۔ ۱۸۹۵ء-۱۹۷۵ء) کا ذکر ضروری ہے۔ وہ پہلا نقاد ہے، جس نے ادب اور زمان و مکان کے تعلق

پر لکھا۔ اس کی دل چسپی کا بڑا مرکز ناول تھا۔ ناول بطور صنف۔ ناول کی ہیئت پر لکھتے ہوئے، اس نے کرونوٹوپ (لفظی مطلب: زمان اور مکاں) کی تھیوری پیش کی۔ ۱۹۳۷ء میں جب باختن نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، دنیا آئن سٹائن (Albert Einstein۔۱۸۷۹ء-۱۹۵۵ء) کے خصوصی نظریہ اضافیت کے طلسم میں گرفتار تھی۔ یہ نظریہ کہ زمان، مکاں ہی کا حصہ ہے اور زمان اضافی ہے، ہر شعبے کے مفکروں کو متاثر کیے ہوئے تھا۔ باختن بھی انھی میں سے ایک تھا، مگر وہ اس نظریے کو ناول میں استعمال کرنے کے سلسلے میں حد درجہ محتاط تھا۔ اس نے یہ تو تسلیم کیا کہ جہاں مکاں ہے، وہاں زماں بھی ہے، مگر اس نے اصرار کیا کہ دونوں بہ یک وقت اہم ہیں؛ کوئی کم تر ہے نہ برتر۔ ہمارے تجربے میں یہ دونوں بہ یک وقت آتے ہیں۔ وہ ناول کو بھی آدمی کا تجربہ کہتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ناول میں جو آدمی ظاہر ہوتا ہے، وہ زمان و مکاں سے باہر نہیں، ان کا تجربہ کرنے والا ہے۔ ناول کے آدمی کے لیے وقت گاڑھا ہو جاتا ہے، گوشت پوست کا بن جاتا ہے، وقت فن کارانہ ہیئت میں باقاعدہ نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح ناول کے آدمی کے لیے مکاں کا تجربہ کچھ اس نوع کا ہوتا ہے کہ وہ وقت، پلاٹ اور تاریخ کا گرم جوشی سے جواب دیتا محسوس ہوتا ہے۔ کانٹ (Immanuel Kant۔ ۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء) زمان و مکاں کو پہلے سے موجود ذہنی زمرے خیال کرتا ہے جو انسانی تجربات کو مخصوص صورت دیتے ہیں، جب کہ باختن کے نزدیک زمان و مکاں درپیش حقیقت ہیں، اسی بنا پر ان کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ باختن کے کرونوٹوپ کے ضمن میں ایک اہم بات، زبان اور ادب میں زمان و مکاں کی ترجمانی ہے۔ وہ باہر کے مکاں اور وقت اور ان کی ناول میں پیش کش میں فرق کرتا ہے۔ ناول کا وقت، دنیا کے وقت سے مختلف ہوتا ہے۔

ایرک پریٹو (Eric Prieto) نے لکھا ہے کہ جغرافی تنقید میں جگہ کو چار طریقوں سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ مظہریاتی، پس ساختیاتی، شناختیاتی اور ماحولیاتی۔ گستاں بیخالڈ پہلا مفکر ہے جس نے جگہ کو مظہریاتی طریقے سے سمجھا۔ اس کی مشہور کتاب مکاں کی شعریات (*Poetics of Space*، ۱۹۵۸ء) ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مظہریات، 'انسانی تجربے کا فلسفہ' ہے۔ اشیا سے تمام تصورات کو منسوخ کرکے، حقیقی تجربے کے ذریعے، چیزوں کی سچائی کو سمجھنا۔ گستاں بیخالڈ ماہر فنِ تعمیرات تھا مگر اس نے گھر کو فنِ تعمیر کی تاریخ کی رو سے سمجھنے کے بجائے، اس میں رہنے بسنے کے تجربے کی مدد سے سمجھا۔ اس تجربے کے لیے اس نے شعریات کی اصطلاح منتخب کی۔ ایک اس لیے کہ گھر محض چھت فراہم نہیں کرتا، موسم کے شدائد سے محفوظ ہی نہیں رکھتا بلکہ یہ ہمارے وجود کو منظم ہونے کی اساس فراہم کرتا ہے۔ گھر دن سپنے دیکھنے والے کو پناہ دیتا ہے اور اطمینان سے خواب دیکھنے کا موقع دیتا ہے۔ اہم بات یہ کہ گھر سے باہر کی جگہوں پر بھی گھر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی گھر میں رہنے بسنے کا تجربہ، دوسری جگہوں پر قیام کے تجربے کی بنیاد بن جایا کرتا ہے۔ گویا مکانیت کا بنیادی تجربہ تنظیم و ترتیب کا ہے۔ رابرٹ ٹیلی نے درست لکھا ہے کہ بیخالڈ کی کتاب، گھر کو ذہن اور تخیل تک لے جاتی ہے، اور ان اندرونی جگہوں پر قیام کے تجربے کی روداد لکھتی ہے، اس لیے یہ جغرافیائی نقشہ گری سے اس طرح متعلق نہیں، جس طرح بعد کے نقادوں کی کتب ہیں۔ اس کا اشارہ دوسرے فرانسیسی مفکر لی فیو (Henri Lefebvre۔۱۹۰۱ء-۱۹۹۱ء) کی جانب ہے، جن کی کتاب مکاں کی تشکیل (*Production of Space*، ۱۹۷۴ء) اگلی ممتاز ترین کتاب ہے۔

یخالڈ کا تناظر مظہریات ہے تو لی فیو کا مارکسیت ہے۔ جغرافی تنقید میں اگر کسی کتاب کو اس دبستان کی بائبل قرار دینا ہو تو وہ لی فیو کی یہی کتاب ہو گی۔ اس میں مکاں کا تصور جس وسعت اور گہرائی کے ساتھ پیش ہوا ہے، کسی دوسری کتاب میں نہیں ہوا۔ بلاشبہ فوکو، مکاں کو معنی سے لبریز کہہ چکے تھے، اور مکانِ دیگر (ہیٹر ٹوپیا) کا تصور بھی پیش کر چکے تھے، مگر ایک سماج میں سپیس کیسے پیدا ہوتی ہے، اس کی کتنی قسمیں ہیں اور وہ کیا کردار ادا کرتی ہیں، ان پر لی فیو ہی نے لکھا۔ وہ یہ واضح کرتا ہے کہ سپیس، چینی کے ایک کلو گرام یا کپڑے کے ایک میٹر کی مانند پیدا نہیں کی جاتی۔ اس نے سپیس کو جس طور واضح کیا ہے، اس کے لیے مکاں، مقام، جگہ کے الفاظ کفایت نہیں کرتے۔ وہ سپیس کو کوئی ماورائی شے نہیں کہتا، مگر اسے مکمل طور پر مادی و حسی بھی قرار نہیں دیتا۔ چینی کا ایک کلو گرام بھی جگہ گھیرتا ہے، اور کپڑے کا ایک میٹر بھی؛ لی فیو جس سپیس کی بات کرتا ہے، وہ بھی جگہ گھیرتی ہے مگر وہ جگہ حسیات، ذہن، زبان، کلام، صفحات، علامتوں، نمائندگی کے طریقوں اور سماجی رشتوں میں ہے۔ لی فیو تین قسم کی سپیس کا ذکر کرتا ہے۔ مدرکہ (perceived)، تعقلی (conceived) اور بسر کی گئی (lived)۔ مدرکہ سپیس وہ ہے جسے ہم واقعی دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ جگہوں کے بنائے گئے سب نقشے تعقلی سپیس کی ذیل میں آتے ہیں۔ بسر کی گئی جگہوں سے ہمارا تعارف ان علامتوں اور تمثالوں میں ہوتا جن میں قیام کے تجربوں کو لکھا گیا ہوتا ہے۔ گویا پہلی سپیس عوامی، دوسری دانش ورانہ اور تیسری تخلیقی ہے۔ ادب اس تیسری سپیس ہی کو موضوع بناتا ہے اور جغرافی نقاد کا بنیادی سروکار بھی اسی سے ہوتا ہے۔ تیسری سپیس کے ضمن میں ایڈورڈ سوجا (Edward Soja۔ ۱۹۴۰ء-۲۰۱۵ء) کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس نے فوکو کے ہیٹروٹوپیا اور لی فیو کی تین قسم کی جگہوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مکانِ سوم (Third Space) کا تصور پیش کیا۔ اس کے مطابق مکانِ سوم، مکانیت کے عام، روایتی، جانے پہچانے طریقوں پر سوال اٹھاتا ہے، اور ایک متبادل پیش کرتا ہے۔ مکانِ سوم ہی میں یہ بات مضمر ہے کہ کوئی مکانِ اوّل اور مکانِ دوم بھی ہے۔ حقیقی جگہیں، جیسے گھر، سکول، بازار مکانِ اوّل ہیں۔ ان جگہوں پر لوگ باہم ملتے ہیں، سماجی روابط قائم کرتے ہیں، یہ مکانِ دوم ہے۔ مکانِ اوّل مادی، جب کہ مکانِ دوم سماجی ہے۔ مکانِ سوم، ان دونوں کا امتزاج ہے۔ فوکو کی مانند، سوجا جگہوں کی نجی و سماجی تقسیم کا قائل نہیں۔ یعنی مکانِ سوم بہ یک وقت حقیقی اور تخیلی ہے۔ حقیقی اس مفہوم میں کہ جگہ کو بسر کیا گیا ہو، اس کی مکانیت کو پوری طرح محسوس کیا گیا ہو اور تخیلی اس معنی میں کہ یہاں انفرادی و اجتماعی شعور کے ساتھ بحث و گفتگو کی گئی ہو۔ قہوہ خانے، چائے خانے، تکیے، مکانِ سوم کی نمائندگی کرتے ہیں، فوکو کے مکانِ دیگر کی مانند، اس فرق کے ساتھ کہ فوکو جگہوں کی مکانیت، یعنی وہاں موجود ہونے کے حسی تجربے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں جغرافی نقاد کو بنیادی ادبی سوالات درپیش ہوتے ہیں۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ حقیقی جگہ اور ادب میں اس کی نمائندگی کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اس سوال کی بھی کئی جہات ہیں، کچھ پرانی اور کچھ نئی۔ ادب، دنیا کی نقل ہے یا تشکیلِ نو؟ یہ پرانی جہت ہے۔ زبان، حقیقت کو اس کی اصل صورت میں پیش کرتی ہے، یا اس میں ملاوٹ کی مرتکب ہوتی ہے؟ نیز زبان اور صنف کی شعریات میں پہلے سے نظریات، تصورات، آئیڈیالوجیز موجود ہوتی ہیں، یا ان سب کو مصنف اختراع کرتا ہے؟ یہ

دونوں جہات نئی ہیں۔ انھی دو سوالوں کے سبب، جغرافی تنقید، پس ساختیاتی تنقید سے کچھ اتفاق کرتی ہے اور کچھ اختلاف۔

پس ساختیات، متن سے باہر کچھ نہیں دیکھتی۔ متن، دنیا کو مخاطب ضرور کرتا ہے، مگر پہلے وہ ایک اپنی دنیا تشکیل دیتا ہے۔ متن کی دنیا اور باہر کی حقیقی دنیا میں فاصلہ برقرار رہتا ہے۔ خود متن رشتوں کا ایک نظام ہوتا ہے۔ باہر کی دنیا کی کوئی چیز جب متن بنتی ہے تو پس ساختیات کی رو سے، وہ ایک ڈسکورس، تصویر یا گیت بن جاتی ہے۔ باہر کی دنیا میں انتشار و بے ربطی و کثرت ہوتی ہے، مگر متن کے تمام اجزا باہم مربوط ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت، دنیا اور متن کے رشتے کو سادہ نہیں رہنے دیتی۔ اسی بنا پس ساختیاتی نقاد، جغرافی تنقید پر معترض ہوتے ہیں کہ یہ تنقید ادب میں جن جگہوں اور مقامات کی تلاش کرتی ہے، وہ نشانات اور علامتوں میں بدل چکے ہوتے ہیں۔ ساختیات کی رو سے، جگہ اور اس جگہ کے لسانی نشان میں کوئی فطری و منطقی رشتہ نہیں، محض رواجی و ثقافتی رشتہ ہے۔ پس ساختیات اس رشتے میں سماجی نظریات و آئیڈیالوجی کو کارفرما دیکھتی ہے۔ گویا ناصر کاظمی جب لاہور کو لکھتا ہے تو وہ عمومی تجربے میں آنے والے شہر کو نہیں لکھتا، ایک ایسے شہر کو لکھتا ہے، جس کے معنی ہجرت، نقل مکانی، تقسیم، مسلم قومی و تہذیبی تصور، رشتوں کی شکست، نئی امیدوں، خدشات وغیرہ سے طے ہوتے ہیں۔

کیا کسی جگہ کی ٹھیک ٹھیک، سائنسی انداز میں، خالص حقیقت نگاری کے اسلوب میں نقشہ کشی کی جاسکتی ہے؟ اس ضمن میں بورخیس (Jorge Luis Borges، ۱۸۹۹ء-۱۹۸۶ء) کے افسانچے 'سائنس کی قطعیت' کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ بورخیس نے ایک سلطنت میں نقشہ گری کے فن کے کمال کو موضوع بنایا ہے۔ یہ کہ ایک ایسا نقشہ بنایا گیا، جس میں پہلے ایک صوبے کو ایک شہر کے برابر، پھر صوبے کو سلطنت کے برابر، بعد میں سلطنت کو سلطنت کے برابر دکھایا گیا تھا، یعنی جتنی بڑی اور وسیع سلطنت تھی، اتنا ہی بڑا نقشہ۔ گویا نقشہ گری کا کمال یہ تھا کہ اس میں ہر چیز کو اس کی حقیقی اور مکمل صورت کے ساتھ دکھایا گیا۔ لیکن اگلی ہی نسل نے اس نقشے کو بالکل بے کار تصور کیا اور اسے زمانے کی دست برد کے سپرد کر دیا۔ اس افسانچے کی یہ تعبیر کی جاتی ہے کہ حقیقت کی نقل نہیں کی جاسکتی؛ زبان کسی شے کو اس کی اصلی صورت میں پیش نہیں کر سکتی۔ جہاں ایسی کوشش کی جاتی ہے، وہ کوشش رائیگاں جاتی ہے۔

جغرافی تنقید پس ساختیات کے اس مؤقف سے اختلاف رکھتی ہے۔ خاص طور پر ویسٹ فل کہتے ہیں کہ حقیقت اور فکشن کا درمیانی علاقہ (Interface)، لفظوں میں موجود ہوتا ہے۔ وہ پس ساختیات کے اس نکتے کو تو تسلیم کرتا ہے کہ متن ایک فکشن ہی ہے، اپنے ہی اصولوں اور رسمیات کا پابند فکشن، مگر کوئی فکشن ایسا نہیں جو حقیقت سے لاتعلق ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ فکشن، کسی خارجی حقیقت کی ہو بہو نقل پیش نہ کرے، مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ حقیقت کا شائبہ نہ ابھارے، یا حقیقت کو تشکیل نہ دے، یا حقیقت کو problematize نہ کرے۔ لہٰذا ویسٹ فل کہتا ہے کہ حقیقی شہر، ڈسکورس کے چوراہے (crossroad) پر واقع ہوتا ہے۔ ویسٹ فل کے مطابق: شہر سے متعلق کوئی بھی ڈسکورس یادداشت کا تھیٹر ہے، زبان ہی کے ذریعے اسے بحال اور ایجاد کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ویسٹ فل اپنی تنقید میں منبع یعنی referent کی شمولیت لازمی بناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ درست ہے کہ کسی جگہ کا بیان، اس کے منبع (referent) یا اصل جگہ کو مکرر پیدا نہیں کرتا، مگر یہ بیان یا ڈسکورس ہی ہے جو جگہ کو قائم کرتا

(establish) ہے۔ یہ بنیادی نکتہ ہے جو اس تصور کی جارحیت سے بچاتا ہے کہ متن سے باہر کچھ نہیں۔ متن سے باہر دنیا ہے، حقیقی جگہیں ہیں، قسم قسم کی جگہیں اور مقامات ہیں جن کی طرف ہمیں متن لے جا سکتا ہے، اور جنھیں محفوظ کر سکتا ہے اور جن سے متعلق ہمارے تجربات و تصورات تشکیل دے سکتا ہے اور تشکیل دیے گئے تصورات کی شکست وریخت کر سکتا ہے۔

لی فیو نے سماجی مکاں (Social space) کا تصور بھی پیش کیا تھا۔ فوکو کی مانند وہ بھی کہتا ہے کہ سماجی مکاں کوئی خالی جگہ نہیں ہے، یہ سماجی پیداوار ہے۔ لی فیو کے مطابق: یہ کہنا زیادہ صائب ہوگا کہ سماجی مکان، سماج کی بالائی ساخت (Super structure) ... جہاں ریاستی قوانین، ادارے اور نظریات موجود ہوتے ہیں.... کی بنیادی شرط اور نتیجہ ہے۔ ریاست اور اس کے اداروں کو ایسی سپیس درکار ہوتی ہے، جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق منظم کر سکیں۔ اسی طرح سرمایہ داریت تجریدی مکاں (absolute space) کی طالب ہوتی ہے جو اپنی اصل میں یکساں (homogenous) ہوتی ہے، یعنی ایک ہی طرح کے باہم مربوط نظریات کا نظام۔ فوکو نے اسی لیے ہیٹروٹوپیا کا تصور پیش کیا تھا۔ ہیٹروٹوپیائی جگہیں، مزاحمت کی حامل یا آماج گاہ ہوتی ہیں۔ یہ مختلف جگہیں، سرمایہ داریت کے مربوط نظام پر مبنی سپیس میں دراڑ ڈالنے والی ہوتی ہیں۔

لی فیو اور فوکو کے خیالات کو آگے لے جانے والوں میں میشل دی سیخنتو (Michel de Certeau۔ ۱۹۲۵ء-۱۹۸۶ء) بھی ہیں۔ انھوں نے جگہ سے متعلق لکھتے ہوئے، مظہریات اور جدلیات کو آمیز کیا ہے۔ اس کی کتاب *The Practice of Everyday Life* (۱۹۸۴ء) میں یہ نکتہ پیش ہوا ہے کہ کس طرح جگہیں، مزاحمت کا مقام بن جایا کرتی ہیں۔ وہ فوکو کے ہمہ بینی (panopticon) کے تصور کو سامنے رکھتا محسوس ہوتا ہے۔ اس تصور کے مطابق طاقت ایک مسلسل نگران آنکھ کی مانند ہے۔ فوکو طاقت کی نقشہ گری کرتا ہے۔ ہیٹروٹوپیائی جگہیں، طاقت کی اس خدائی آنکھ کو جُل دینے والی ہیں۔ سیخنتو شہر میں چلنے کی تمثیل استعمال کرتا ہے۔ اس کے مطابق گلی میں پیدل چلنے والے، پھول بیچنے والے، کھڑکیوں سے بصری خریداری کرنے والے، طاقت کی ہمہ بین آنکھ سے بچ نکلتے ہیں۔ اس کے مطابق: شہر میں پیدل چلنا طویل نظم ہے۔ چلنے کی طویل نظم مکانی تنظم کو، خواہ وہ کس قدر ہمہ بین اور عیار ہو، اپنے مقاصد کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ پیدل چلنا، نگرانی کے نظام سے انحراف ہے۔ پیدل چل کر چیزیں بیچنے سے اسی طرح سائے، شبیہیں اور ابہام پیدا ہوتے ہیں، جس طرح کسی جدید نظم میں۔ تاہم وہ واضح کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیدل چلنے والا، ترقی پسند اور انقلابی ہے، مگر وہ طاقت کے کلی نظام کا شکار ہونے سے بچ جانے والا فرد ہے۔ وہ ایک متبادل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں لکھی گئی تھی، تب یہ بات درست ہو گی، مگر اب جب کہ محفوظ شہروں کے نام پر ہر جگہ کیمرے نصب ہیں، اور سوشل میڈیا اور مصنوعی ذہانت ہر شخص استعمال کر رہا ہے تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی شخص کہیں بھی نگرانی کے نظام سے باہر ہے؟ ہمیں یہاں سماج کے کچھ خاص کردار یاد آتے ہیں جو سماج کے طاقت کے نظام سے باہر ہوا کرتے ہیں۔ یہ ملنگ، فقیر اور دانش مند احمق (wise fool) ہیں۔ اس کی مثال ملا نصیر الدین، بیربل، وتایو فقیر ہیں۔ ایسے لوگ اب کہاں ہے؟ سیخنتو کے اس تصوّر پر یہ تنقید کی جا سکتی ہے کہ پیدل چلنے ولا، طاقت کی نگران آنکھ سے دور ہو سکتا ہے مگر وہ طاقت کے جبر کا سب سے زیادہ شکار ہونے والا

فرد ہے۔ پیدل چل کر چیزیں بیچنا اس کا اختیار نہیں، مجبوری ہے۔ ہمارے نزدیک جوگی، فقیر، دانش مند احمق، طاقت کے نظام سے ارادتاً روگردانی کرنے والے لوگ ہوا کرتے تھے۔ ان ہی سے اکثر شاعر یا قصہ گو ہوا کرتے تھے اور شعر و کہانی کو مزاحمت کا وسیلہ بھی بناتے تھے۔

جیسا کہ ہم بحث کر آئے ہیں، جغرافی تنقید کو اس پر اصرار ہے کہ جگہ، مقام اور مکاں معانی سے لبریز ہیں۔ یہ سوال کہ یہ معانی خود جگہوں میں موجود ہیں، ان جگہوں پر اختیار رکھنے والوں نے دیے ہیں، یا ان جگہوں کی علامتی اور ادبی نقشہ گری کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، مسلسل زیر بحث آتا رہا ہے۔ اس بحث میں تانیثی نقاد بھی شامل ہوئے ہیں۔ مثلاً جیلین روز (Gillian Rose۔ پ: ۱۹۶۲ء) یہ رائے ظاہر کرتی ہیں کہ جگہوں کو لکھتے ہوئے، صنفی امتیاز برقرار رہتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ گھر عورت سے اور دفتر مرد سے مخصوص تصور کیا جاتا ہے، کچھ جگہوں پر عورتوں کا جانا ممنوع تصور ہوتا ہے، جیسے مساجد، مزار، قبرستان اور کچھ مخصوص بازاروں میں بھی عورتوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی، بلکہ کسی بھی جگہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے، پدرسری تعصبات شامل ہو جاتے ہیں۔ مرد اپنے لیے وسیع، کشادہ، بے کنار جگہوں کا انتخاب کرتے ہیں، عورتوں کے لیے چار دیواری کو محفوظ تصور کر کے، منتخب کیا جاتا ہے۔ بہت کم جگہیں ہوں گی، جہاں مردوں کی مانند عورتوں کو اکیلے جانے کی عام اجازت ہو۔ صنفی امتیاز، طبقاتی امتیاز کی مانند ہے۔ اشراف کی سب جگہیں (قیام، تعلیم، تفریح، فرصت، کھانے پینے)، اجلاف کی جگہوں سے الگ، مختلف اور ممتاز ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب ان جگہوں کو علامتی معنوں میں پیش کیا جاتا ہے تو کچھ معانی روایتی طبقاتی - نسوانی ہوتے ہیں اور کچھ روایتی اشرافی - مردانہ۔ مردانہ خصوصیات، نسوانی خصوصیات کو بے دخل کرتی، منسوخ کرتی اور متنازع بناتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جگہوں کا ادراک کرتے ہوئے، ان کے بارے میں تصورات قائم کرتے ہوئے، انھیں بسر کرتے اور انھیں لکھتے ہوئے، صنفی عدم مساوات ظاہر ہوتی ہے۔

اب تک جغرافی تنقید جس علمیات سے ظہور کرتی محسوس ہوتی ہے، وہ مظہریات اور مارکسی جدلیات کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں حقیقی، استعاراتی، تخیلی اور فنتاسی پر مبنی جگہوں کا مطالعہ، ان سے متعلق انسانی تجربے، ان کی مکانیت اور طاقت کے مکانی تجزیے پر مبنی مطالعہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں جغرافی تنقید کا سروکار جگہوں کی جمالیات، شعریات اور جدلیات سے ہے۔ اگرچہ بعض نقاد جغرافی تنقید کے ضمن میں مابعد نوآبادیات کو شامل کرتے ہیں، اور ایڈورڈ سعید کا حوالہ بھی لاتے ہیں مگر اس رخ سے باقاعدہ نظریہ سازی نہیں کی گئی۔ نوآبادیات ایک انتہائی اولوالعزم منصوبہ تھا۔ یہ حقیقی جغرافیے، اس جغرافیے کی نمائندگی کے سب اطوار اور ذہنی جغرافیے پر حکمرانی کا نظام تھا۔ نوآبادیات کے بعد یہ تینوں جغرافیے اپنی سابقہ صورتوں پر قائم نہیں رہے۔ چناں چہ ان جگہوں کی حقیقی صورت، یہاں سفر و قیام کے تجربے، ان جگہوں اور ان کے تجربوں کی نقشہ گری سب پر استعماریت کا آسیب طاری رہا ہے۔ یہ آسیب آج بھی، نوآبادیاتی عہد کی یادگاری عمارتوں اور دیگر مقامات پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ طبیعی جغرافیے کی بازیافت کے بعد اس جغرافیے کی نمائندگی اور ذہنی جغرافیے کی بازیافت کی ضرورت اب بھی موجود ہے۔

ہمارے نزدیک مغربی جغرافی تنقید میں قابلِ قدر کام ہوا ہے، اور اس سے اردو تنقید استفادہ کر سکتی ہے۔ ہمیں کلاسیکی و جدید شاعری، داستان اور فکشن میں کئی طرح کی جگہیں ملتی ہیں: حقیقی، فنتاسی پر مبنی، طلسماتی نوعیت کی۔ گھر، بستی، شہر، جنگل، بیاباں، صحرا، گلستاں، دریا، ندی، سمندر، قلعے، محل، کھنڈرات، قبرستان، تکیے، قہوہ خانے، خانقاہیں، مزار اور ان کے متعلقات۔ کچھ جگہیں خالص استعاراتی ہیں۔ مغربی استعاراتی جگہوں اور ہماری جگہوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مغربی استعاراتی جگہیں، زیادہ تر سماجی جگہیں ہیں، جہاں نظریات کی آویزش ہے۔ مغرب نے استعماریت کے زخم نہیں سہے، اس لیے اس کے یہاں وہ جگہیں نہیں ہیں، جیسی ہم اپنے یہاں دیکھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جدید اردو شاعری میں کچھ جگہیں قومی مذہبی آئیڈیالوجی کی حامل بنی ہیں۔ یہ ایسی جگہیں ہیں، جہاں ایک مکمل تصورِ دنیا 'قیام پذیر' ہے، اور وہ طاقت کا حامل ہے۔ یہ استعاراتی جگہیں، حقیقی جگہوں کے مقابل ظاہر ہوتی ہیں۔ حسی تجربے کے مقابلے میں آئیڈیالوجی میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ایک گھر میں رہنے کا حقیقی حسی تجربہ، ایک 'مثالی گھر' یعنی ملک کے تصور کے مقابلے میں شکست کھاجایا کرتا ہے۔ جغرافیے پر تاریخ و نظریہ غالب آجاتا ہے۔ مثالی و مطلوب جگہوں اور ان کی عہد رفتہ کی ثقافت کی آرزو، مقامی جگہوں اوران کی زندہ ثقافت سے منقطع کردیا کرتی ہے۔ بعد میں ان مقامی جگہوں کی بازیافت کی سعی کی جاتی ہے، جو خود ایک نظریاتی جدوجہد میں بدل کر، ایک نوع کی مابعد الطبیعیات کی حامل ہو جایا کرتی ہے۔ جغرافی تنقید ہمیں اپنے ادب کے مطالعے کے کچھ یکسر نئے گوشوں، منطقوں اور مقامات کے مطالعے کی راہ سجھاتی ہے۔ آخری بات یہ کہ ہمارے نزدیک، اس تنقیدی نظریے میں بھی شعریات، جمالیات اور سیاست یک جا ہیں۔ یہ تصور محض گمراہ کرنے کے لیے پھیلایا جاتا ہے کہ معاصر تنقید معانی کی بحث میں جمالیات سے غافل ہے۔ ادب میں ہیئت و مواد، ناخن اور گوشت کی مانند ہیں۔ یہی صورت، جمالیات وسیاست کی ہے۔

امید ہے ہمارے قارئین اس موضوع پر اپنی آرا سے ہمیں نوازیں گے۔

❋

اس شمارے میں ہم جگہوں اور مقامات ہی سے متعلق ایک خصوصی گوشہ بھی شائع کر رہے ہیں۔ تین مقالات میں تین قسم کی جگہوں کی ادب میں نمائندگی وترجمانی کے اسالیب کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ جغرافی تنقید میں بورخیس کی کچھ کہانیوں کا ذکر خصوصی طور پر آتا ہے۔ اس کی کہانیوں میں انوکھی، حیرت انگیز، توقع شکن جگہیں ملتی ہیں۔ شائستہ حسن نے بورخیس کے فکشن کا مطالعہ، میشل فوکو کے مکانِ دیگر (ہیٹروٹوپیا) اور وین گینپ اور وکٹر ٹرنر کے تصورِ دہلیز (Liminal Spaces) کی روشنی میں کیا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات نئی ہیں۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں جن جگہوں سے واقف چلے آتے ہیں، یہ اصطلاحات انھی جگہوں کے نئے مفہوم اور کردار سے ہمیں متعارف کرواتی ہیں۔ یہ مقالہ ہمیں نہ صرف جگہوں سے متعلق نئی بصیرت دیتا ہے، بلکہ خود بورخیس کے فکشن کا تعارف ایک نئے رخ سے کرواتا ہے۔ اس مقالے کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ جگہیں بھی سیاسی مزاحمتی کردار کی حامل ہوتی ہیں۔ محمد نعیم نے علامہ اقبال کی اردو شاعری کا 'مکانی تجزیہ' کیا ہے۔ انھوں نے اس مطالعے کے لیے ہندوستان، یورپ، افغانستان اور حجاز کا انتخاب بہ طور خاص کیا ہے۔ اس سے پہلے اقبال کے یہاں یورپ و ایشیا یا مشرق و مغرب کی نمائندگی اور ایک کی تنقید اور

دوسرے کی تحسین پر لکھا گیا ہے، مگر شعر اقبال میں شہروں اور ملکوں کی مکانیت پہلی بار زیر بحث آئی ہے اور اقبال کے مطالعے کی ایک نئی جہت سامنے آئی ہے۔ نعیم صاحب نے اپنے مقالے میں شماریاتی اور کیفیتی دونوں قسم کے تجزیوں سے اپنا مئوقف پیش کیا ہے۔ الیاس کبیر نے اپنے مطالعے کے لیے بازار کی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔ انھوں نے پہلے بازار کا تاریخی تناظر پیش کیا ہے، پھر میر اور غالب کے یہاں بازار بہ طور جگہ اور استعارہ زیر بحث لائے ہیں۔ کلاسیکی شاعری میں بازار کی معنویت کیا تھی، یہ مقالہ اس نکتے کو معرض بحث میں لاتا ہے۔ امید ہے یہ تینوں مقالات، اردو میں جغرافی تنقید کے تصور کی الگ الگ جہتوں کو متعارف کروانے میں کامیاب ہوں گے۔

زبان و لسانیات سے متعلق بھی تین مقالات شامل اشاعت ہیں۔ وصی اللہ کھوکھر نے اردو کے پہلے اور نایاب تھیسارس لغات مرادف کا تعارفی و تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ قاسم یعقوب نے سلینگ پر ایک کتاب تالیف کر رکھی ہے۔ سلینگ، زبان کے حاشیے پر موجود الفاظ ہیں۔ حاشیے پر موجود لوگوں کی مانند، یہ الفاظ بھی اب خصوصی توجہ کا مرکز ہیں۔ اس شمارے کے لیے قاسم یعقوب نے پاکستان کے شمالی علاقوں کی زبانوں میں سلینگ الفاظ کی نشان دہی کی اور ان کی وضاحت کی ہے۔ صفدر رشید نے لسانی مطالعے کے لیے امیر خسرو کے دیباچہ غرۃ الکمال اور مثنوی نہ سپہر کا انتخاب کیا ہے۔ امیر خسرو، جنوبی ایشیا کے چند ممتاز ترین مشاہیر میں سے ایک ہیں۔ ان کے یہاں وہ تفریق و تقسیم دکھائی نہیں دیتی، جو اس وقت اس خطے کی ابتلا کا باعث ہے۔ صفدر رشید نے خسرو کے لسانی شعور کا جائزہ لیتے ہوئے، ان کے لسانی صلح کل کی نشان دہی کی سعی کی ہے۔

شاعری پر اس بار دو مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون رانا محبوب اختر کا ہے۔ انھوں نے حبیب جالب کو لاہور کا عوامی چہرہ کہا ہے۔ حبیب جالب شخصی اور شعری دونوں سطحوں پر عوام کے قریب تھے۔ رانا صاحب نے حبیب جالب کی ذاتی زندگی اور شاعری سے واقعات اور مثالیں منتخب کر کے اپنا مؤقف پیش کیا ہے۔ راشد سعیدی نے علامہ اقبال کی نظم ''ذوق و شوق'' کی اب تک کی گئی تعبیرات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ شاعری کی تعبیر کی تاریخ و علمیات، ان کی دل چسپی کا خاص موضوع ہے اور اس موضوع پر ان کی تحریریں اہم ہیں۔ اس مضمون میں وہ تفہیم و تعبیر کا فرق روا رکھتے ہوئے اپنا مؤقف پیش کرتے ہیں۔

محمد نصر اللہ نے اس بار ادبیاتِ عالم کا ایک نیا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ایک زمانے میں فکشن کے نفسیاتی مطالعات کیے گئے تھے۔ ان میں آرکی ٹائپ کا سرسری ذکر ملتا ہے۔ آرکی ٹائپ کی کتنی قسمیں ہیں اور یہ کس کس طور ہمارے اپنے ادب میں ظاہر ہوئی ہیں، اس پر شاید ہی لکھا گیا ہو۔ محمد نصر اللہ نے نہ صرف ژنگ کے ظلمت کے آرکی ٹائپ (شیڈو) کی وضاحت کی ہے، بلکہ عالمی ادبیات بشمول اردو ادب کی پوری روایت میں اس کی نشان دہی ذہانت اور بصیرت سے کی ہے۔ اردو تنقید میں اس تحریر کی بازگشت سنی جاتی رہے گی۔

خرم یاسین نے ایک بالکل نئے موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ ہمارے زمانے کا سب سے بڑا سوال، مصنوعی ذہانت کی نوعیت، کردار، مقصد اور مضمرات سے متعلق ہے۔ انھوں نے نہ صرف مصنوعی ذہانت کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا ہے اور اس کے

دائرہ کار کی وضاحت کی ہے، بلکہ اس کے انسان کے تخلیقی اور تفہیمی عمل پر اثرات و مضمرات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ اردو میں یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے جو مصنوعی ذہانت، شاعری، ترجمے اور تنقید کو اردو کے تناظر میں تفصیل سے موضوع بناتا ہے۔ مصنوعی ذہانت ایک موقع، مسئلہ، خطرہ اور چیلنج بہ یک وقت ہے۔ اس نے ہمیں ایک یکسر نئے اور مشکل تاریخی صورتِ حال کے روبرو کیا ہے۔ ہم آئندہ شماروں میں بھی مصنوعی ذہانت پر مقالات کی اشاعت جاری رکھیں گے۔

آخری مضمون عنبرین صلاح الدین کا ہے۔ انھوں نے ہیلن سکسو کے مضمون "میڈیوسا کا قہقہہ" کا ترجمہ کیا ہے اور تفصیلی حواشی رقم کیے ہیں۔ یہ مضمون تانیثی تنقید میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ عنبرین صلاح الدین نے نہ صرف اس کا اچھا ترجمہ کیا ہے، بلکہ اس کے بنیادی نکات کا فکر انگیز تجزیہ بھی کیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے چند اہل قلم اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس جہانِ بے ثبات سے رخصت ہوئے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک مرنجاں مرنج شخصیت اور معروف و ممتاز ماہر اقبالیات تھے۔ وہ آخری سانس تک اقبالیاتی مطالعات میں مصروف رہے۔ انھوں نے اقبال کی زندگی، شاعری، فلسفے، تصورات اور خود اقبال پر لکھی گئی تحریروں پر تحقیق و تنقید لکھتے عمر گزار دی۔ بلوچی زبان کے معروف شاعر مبارک قاضی کا انتقال، کچھ عرصہ پہلے ہوا۔ وہ ایک درویش صفت، عوام دوست، مقبول ترین شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں ان کی مٹی کی افسردہ روح، توانا لہجے میں کلام کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اسلم رسول پوری بھی ایک درویش صفت سرائیکی ادیب اور نقاد تھے۔ انھوں نے سرائیکی میں نہ صرف مغربی تنقید کے تراجم کیے، بلکہ سرائیکی ادب کا مابعد جدید اور مابعد نوآبادیات کی روشنی میں تجزیوں کی بنیاد بھی رکھی۔ چند دن پہلے بنگلور (ہندوستان) میں مقیم ممتاز اردو اور نقاد شاعر خلیل مامون چل بسے۔ وہ بنگلور سے ذی ہا ادب کے نام سے ایک اردو ادبی رسالہ بھی شائع کرتے تھے۔ ادارہ بذی ہا د، ان سب اہل قلم کی وفات پر ان کے لواحقین سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔

❋

جغرافی تنقید کی چند اہم اصطلاحات:

Cartography	نقشہ سازی	Literary cartography	ادبی نقشہ سازی
Chronotope	زماں مرتکز مکاں	Literary geography	ادبی جغرافیہ
Deterritorialization	مکانی رڈِ استعماریت	Mapping	نقشہ کشی
Geoaesthtics	جغرافی جمالیات	Place	مقام
Geopoetics	جغرافی شعریات	Referentiality	استشہادیت

Space	جگہ	Spatiotemporality	مکانی زمانیت
Spatial analysis	مکانی تجزیہ	Topography	مکاں سازی
Spatial turn	مکانی موڑ	Trangressivity	تجاوزِ مکانی
Spatiality	مکانیت		

جغرافی تنقید کی چند اہم کتب:

ایڈورڈ سوجا(Edward W.Soja)۔ *Postmodern Geographies: The Reassertion of Space in Critical Social Theory*۔ لندن: ورسو، ۱۹۸۹ء۔

ایڈورڈ سوجا(Edward W.Soja)۔ *Third Space* ۔ میساچوسٹس: بلیک ویل پبلشرز، ۱۹۹۶ء۔

ایریک پریٹو(Eric Prieto)۔ *Literature, Geography, and the Postmodern Poetics of Place* ۔ نیویارک: میکملن، ۲۰۱۲ء۔

ایلانا گومل(Elana Gomel)۔ *Narrative Space and Time Representing Impossible Topologies in Literature*۔ لندن: رٹلج، ۲۰۱۴ء۔

بیچالڈ، گستاں (Bachelard, Gaston)۔ *The Poetics of Space*۔ مترجمہ ماریہ جولاس(Maria Jolas)۔ نیو یارک: پینگوئن بکس، ۲۰۱۴ء(۱۹۵۸)۔

تالیا بلاک لینڈ(Talja Blokland)اور ایلن ہارڈنگ(Alan Harding)۔ *Urban Theory A critical introduction to power, cities and urbanism in the 21st century*۔ لندن: سیج، ۲۰۱۴ء۔

ٹیلی، رابرٹ ٹی۔ جونیئر(Tally, Robert T. Jr.)، مرتب۔ *Geocritical Explorations: Space, Place, and Mapping in Literary and Cultural Studies*۔ یو ایس اے: پال گریو میکملن، ۲۰۱۱ء۔

——مرتب۔ *Geocritical Legacies of Edward W.Said: Spatiality, Critical Humanism and Comparative Literature*۔ یو ایس۔ اے: پال گریو میکملن، ۲۰۱۵ء۔

——۔ *SPATIALITY*۔ ایبنگڈن، یو کے: رٹلیج، ۲۰۱۳ء۔

——۔ *Topophrenia: Place, Narrative and Spatial Imagination*۔ انڈیانا یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۹ء۔

——۔ *Utopia in the age of Globalization: Space, Representation, and the World System*۔ یو ایس۔ اے: پال گریو میکملن، ۲۰۱۳ء۔

جیف مالپس(Jeff Malpas)۔ *Heidegger and the Thinking of Place Explorations in the Topology of Being*۔ میساچوسٹس لندن: دی ایم۔ آئی۔ ٹی پریس کیمبرج، ۲۰۱۲ء۔

ڈورین میسی(Doreen Massey)، جون ایلن(Doreen Massey)اور فل سارے(Phil Sarre)مرتبین۔ *Human Geography Today*۔ کیمبرج: پولیٹی پریس، ۱۹۹۱ء۔

ڈورین میسی(Doreen Massey)،*Space Place and Gende*۔ مینیاپولیس: یونیورسٹی آف منی سوٹا پریس، ۱۹۹۴ء۔

ڈیوڈ جے۔ بوڈن ہامر اور دیگر(David J. Boden Hamer and other)۔ مرتبین، *Deep Maps, Spatial Narratives (The Spatial Humanities)*۔ انڈیاناپولس: انڈیانا یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۵ء۔

ڈیوڈ کوپر اور دیگر(David Cooper and others)۔*Literary Mapping in the Digital Age*۔ لندن: رٹلیج، ۲۰۱۶ء۔

ڈیوڈ ہاوری(David Havery)،*Spaces of Hope*، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، ۲۰۰۰ء۔

ژی۔ فو۔ توان(Yi. Fu. Tuan)۔*Space and Place: The Perspective of Experience*۔ یونیورسٹی آف منی سوٹا پریس، ۱۹۷۷ء۔

ژی۔ فو۔ توان(Yi. Fu. Tuan)۔ *Topophilia: A Study of Environmental perception, Attitudes and Values*۔ نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۴ء۔

لی فیو، ہنری(Henry Lefebvre)۔*The Production of Space*۔ مترجمہ ڈونلڈ نکولسن سمتھ(Donald Nicholson Smith)۔ ولی بلیک ول، ۱۹۹۱ء۔

ویسٹ فل، برٹرینڈ(Westphal, Bertrand)۔*Geocriticism: Real and Fictional Spaces*۔ مترجمہ رابرٹ ٹی ٹیلی جونیئر (Robert T. Tally Jr.)۔ یو۔ ایس اے: پال گریو میکملن، ۲۰۱۱ء۔

ناصر عباس نیّر
۱۲ جون، ۲۰۲۴ء